ISSN 1992-5018

ISLAMABAD LAW REVIEW

Quarterly Research Journal of Faculty of Shariah& Law, International Islamic University, Islamabad

Volume 4, Number 3&4, Autumn/Winter 2020

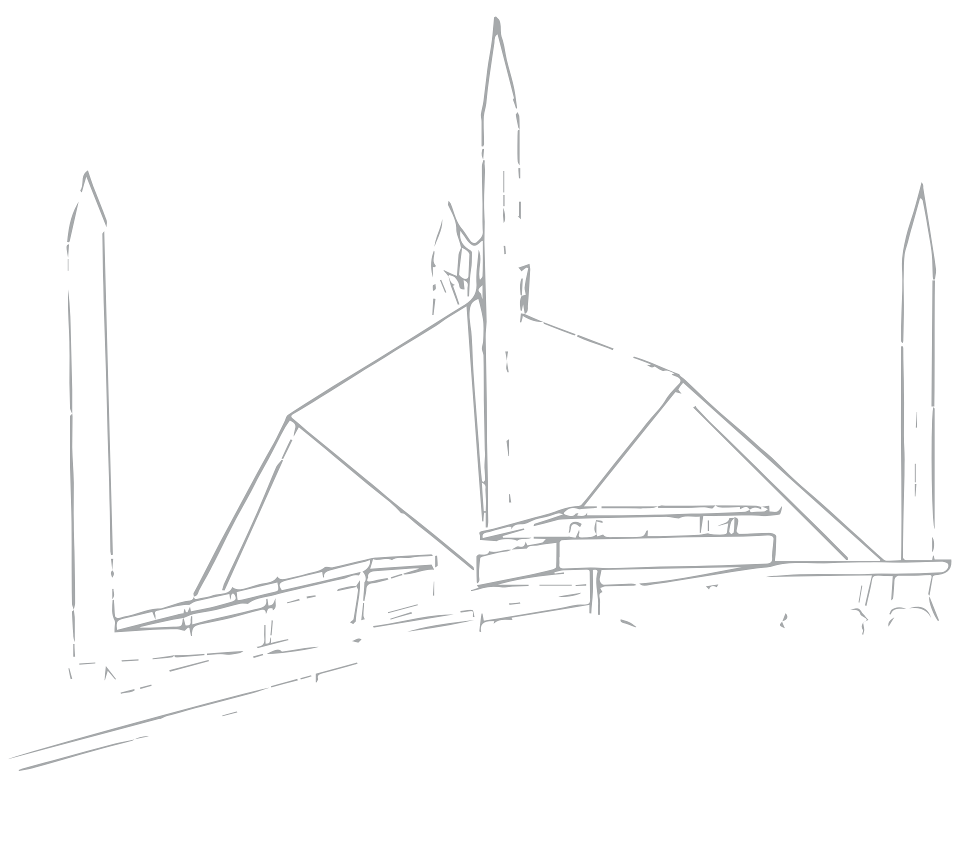

پاکستان کے پہلے دستور کو اسلامیانے میں مولانا مودودی کے کردار اور طریقہ کار کا جائزہ

مراد علی*

Abstract

This paper discusses the significant events regarding the Constitutional journey of Pakistan and sheds lights on the contributions of Mawdudi particularly. Mawdudi devoted his efforts for Islamization of the entire system especially the economic and constitutional ones. For this purposes, he had been engaged in correspondence with prominent figures-religious, political and experts of various other fields-and exchanging views for how the injunctions of Islam are to be incorporated in the legal and constitutional system of this country. This paper very carefully and enthusiastically examines the literature produced by Mawdudi and letters written by him to various figures. Moreover, pursuing this aim, it refers to the works of other writers on the constitutional and political history of Pakistan as well if needed.

فکری پس منظر

بیسویں صدی میں یورپ کی استعماری طاقتوں کی ہولناک تباہیوں کے نتیجے میں مشرق استعماری طاقت کی لپیٹ میں آنے کے بعد سب سے بھاری نقصان مسلمانوں کو اٹھانا پڑا۔ نوآبادیاتی نظام نے مسلمانوں کو سیاسی اور مادی دونوں لحاظ سے مکمل طور پر زیرِ دست کر لیا۔ مغرب کے سیاسی اور فکری غلبے، استعماری لوٹ مار، معاشی بد حالی کے نتیجے میں مقبوضہ علاقوں کے اندر مختلف صورتوں میں مزاحمتی تحریکیں اٹھنا شروع ہوئیں۔ جن خطوں میں آغاز ہی سے استعمار کے خلاف مزاحمت شروع ہوئی ان میں برصغیر بھی شامل تھا، یہاں اول روز سے مزاحمت میں مسلمان صف آرا تھے۔ لیکن انیسویں اور بیسویں صدی میں مسلمان اس مزاحمت کے لیے کسی صحیح راستے کے انتخاب میں فکری انتشار کا شکار ہو گئے۔ اس انتشار کا اندازہ یہاں کے مختلف علما کی ان فتاویٰ اور آرا سے لگایا جا سکتا

* ایم ایس آئی آر اسکالر، بین الاقوامی اسلامی یونی ورسٹی، اسلام آباد۔ murad7779@gmail.com

ہے جو انھوں نے بالخصوص جہاد کے حوالے سے ظاہر فرمائیں۔[1] چناں چہ اس کے بعد انگریزوں کے تسلط سے آزادی حاصل کرنے کے لیے مختلف زاویہ ہائے نظر سامنے آئے، ان میں جو معروف ہوئے وہ اعتدال کے راستے سے ہٹے ہوئے تھے۔ مسلمانوں کی اکثریت ہندوؤں کی قیادت میں مزاحمت کا حصہ بنے۔ اس جدوجہد میں مسلمانوں کی قیادت کی باگیں ان لوگوں نے سنبھالیں جن کا سیاسی رجحان وطنی قومیت کی طرف تھا۔ اس کے نتیجے میں مسلمانوں کا اپنا سیاسی موقف دب کر رہ گیا اور دین کا سیاسی پہلو نظروں سے مستور ہوتا چلا گیا۔ مسلمانوں کے لیے جو چیز نوآبادیاتی دور میں سب سے بڑے نقصان کا سبب بنا وہ یہی فکری اور سیاسی پسپائی تھی۔

اگر برصغیر کی فکری تاریخ پر ایک غائر نگاہ ڈالی جائے تو دین کے اس پہلو کو سامنے لانے کی کوئی منظم کوشش نظر نہیں آتی بلکہ اکثر اہل علم کسی نہ کسی صورت میں اس کے مخالف نقطۂ نظر کے حامل نظر آتے ہیں، چند استثنات ضرور موجود ہیں، مگر مجموعی حالت زیادہ قابل اطمینان نہیں ہے۔ تاہم مولانا سیّد ابوالاعلیٰ مودودی نے (۱۹۰۳-۱۹۷۹ء) پہلی بار ایک منظم صورت میں نہایت شدت کے ساتھ دین کے سیاسی پہلو کو نمایاں کرنے کی انفرادی کوشش کا آغاز کیا اور یہ شدتِ اظہار نتیجہ خیز بھی ثابت ہوا۔ کیوں کہ مجدد کا اصل کام یہی ہوتا ہے کہ وہ اپنے دور کے اس خیال کو نمایاں کرنے پر زیادہ زور دیتا ہے جو ذہنوں سے اوجھل ہو چکا ہو۔ اس لیے یہ خیال درست نہیں کہ "سیاسی اسلام" مولانا کی خانہ ساز (Brain Child) ہے، بلکہ نوآبادیاتی دور میں اسلام کا سیاسی پہلو خود مسلمانوں کے لیے اجنبی بن کر رہ گیا، جس کی بازیافت کا بیڑا مولانا ہی نے اٹھایا۔ تاہم استشراقی تحریک کی علمی اور سیاسی دونوں جانب سے کچھ ایسے اثرات در آئے جو خواہی نہ خواہی اور شعوری غیر شعوری دونوں طور پر قبول کر لیے گئے۔ مولانا کا کارنامہ یہ ہے کہ انھوں نے باقاعدہ طور پر اسلامی کی سیاسی نظام کو عصری اسلوب میں تھیورائز کیا، جس میں وہ منفرد ہیں۔

مولانا مودودی کی فکری مطالعے سے یہ بات بھی سامنے آتی ہے کہ وہ اپنے نظام فکر کو آغاز ہی سے مرتب کر چکے تھے۔[2] آپ کی مختلف ادوار کی تحریروں میں مسلمانوں کی متاع گم گزشتہ کی بازیافت کا جذبہ

1- تفصیل کے لیے دیکھیے: محمد ارشد، "جدوجہد آزادی اور فتاویٰ انیسویں صدی کے فتاویٰ کا ایک تجزیاتی مطالعہ" سہ ماہی **"فکر و نظر"**، ج۵۱، ش(جنوری-مارچ، ۲۰۱۳ء)، ص۵۵-۱۰۸۔

2- اس کی مختصر تاریخ کے لیے دیکھیے: سیّد ابوالاعلیٰ مودودی، **تحریک اسلامی ایک تاریخ، ایک داستان**، مرتب: خورشید احمد (لاہور: منشورات، ۲۰۱۳)، ص۸۸-۱۰۰؛ وہی مصنف، **جماعت اسلامی کے ۲۹ سال** (لاہور: اسلامک پبلی کیشنز، سن ندارد)؛ نیز دیکھیے ماہ نامہ "چراغ راہ" کراچی (نومبر ۱۹۶۳ء) **"تحریک اسلامی نمبر"** میں **"جماعت اسلامی کیسے قائم ہوئی؟"** کے عنوان سے دیا گیا انٹرویو، مشمولہ: **مولانا مودودی کے انٹرویو**، مرتب: ابو طارق ایم اے (لاہور: اسلامک

اور نظام فکر ایک خاص آہنگ میں دکھائی دیتا ہے۔[3] یہی جذبہ بالآخر "الجہاد فی الاسلام" کی صورت میں ایک مربوط صورت میں سامنے آیا۔ آپ نے صحافت کو خیر باد کہنے کے بعد ۱۹۳۰ء میں قیام دکن کے زمانے میں نواب سالار جنگ کی خواہش پر ممالک محروسہ کے لیے "تبلیغ اسلام منصوبہ" کی اسکیم بنائی۔[4] اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ مولانا کے پیشِ نظر ایک منظم جدوجہد پہلے سے موجود تھی۔ اس کے بعد "دارالاسلام" منصوبہ اور چودھری نیاز علی خان کے ساتھ ابتدائی مراسلت سے بھی اس بات کو مزید تقویت ملتی ہے کہ مولانا مسلمانوں کے سیاسی غلبے کے لیے تحریک برپا کرنا چاہتے تھے۔[5]

تاہم عثمانی خلافت کے سقوط کے بعد مولانا کی تحریروں میں اسلام کو نظام زندگی کے طور پر سامنے لانے کا واضح اظہار موجود ہے، جس میں ایک غیر معمولی شدت بھی پائی جاتی ہے۔ یہ فکری عمل تدریج کے ساتھ شروع ہوا۔ غلبۂ دین کو انھوں نے پہلی دفعہ **الجہاد فی الاسلام** کے تیسرے باب "مصلحانہ جنگ" میں پیش کیا، جس میں مسلمانوں کو امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کا فریضہ انجام دینے کا بین الاقوامی جماعت قرار دیا،[6] جو باطل حکومتوں کو مٹا کر حکومت الٰہیہ کے قیام کی جدوجہد منتخب کیا گیا ہے۔[7] بعد ازاں **اسلامی تہذیب اور اس کے**

پبلی کیشنز، ۱۹۷۶ء)، ص ۱۹۶-۲۰۱؛ مزید تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو: چودھری غلام محمد، **تاریخ جماعت اسلامی تاسیسی پس منظر** (لاہور: ادارہ معارف اسلامی، ۲۰۱۹ء)۔

3– "**مسلم**" اور "**الجمیعہ**" کی ادارت کے دوران مولانا کے مضامین میں یہی جذبہ دیکھا جا سکتا ہے۔ "**مسلم**" میں شائع ہونے والے مضامین ڈاکٹر محمد رفیع الدین نے مرتب کر کے پہلی جلد شائع کی ہے، جس میں ستمبر ء تک کی تحریریں شامل ہیں: ڈاکٹر محمد رفیع الدین فاروقی، **مقالاتِ مسلم دہلی**، (حیدر آباد: شان پبلی کیشنز)۔ اس کے علاوہ "**الجمیعہ**" کے اداریوں میں بھی جذبہ موجود ہے، ان اداریوں کو جناب خلیل احمد حامدی نے چار مجموعوں میں مرتب کیا ہے: **آفتابِ تازہ** (لاہور: ادارہ معارفِ اسلامی)؛ **بانگِ سحر**، (لاہور: ادارہ معارفِ اسلامی)؛ **جلوۂ نور**، (لاہور: ادارہ معارفِ اسلامی)؛ **صدائے رستاخیز** (لاہور: ادارہ معارفِ اسلامی)۔ مزید مولانا کی پہلی تصنیف **اسلام کا شرچشمہ قوت** بھی ملاحظہ کیا جا سکتا ہے، دیکھیے: سیّد ابوالاعلیٰ مودودی، **اسلام کا سرچشمۂ قوت**، مرتب: حفیظ الرحمن احسن (لاہور: ادارہ ترجمان القرآن، ۲۰۰۴ء)۔

4– **وثائق مودودی**، مرتب: سلیم منصور خالد (لاہور: ادارہ معارف اسلامی)، ص ۸۱۔

5– اس مراسلت کے لیے ملاحظہ کیجیے: **خطوطِ مودودی**، مرتبین: رفیع الدین ہاشمی، سلیم منصور خالد (لاہور: منشورات، ۱۹۹۵ء)، ص ۱۴۱-۱۷۸۔

6– سید ابوالاعلیٰ مودودی، الجہاد فی الاسلام (لاہور: ادارہ ترجمان القرآن، ۱۹۹۶ء)، ص ۹۹۔

7– نفسِ مصدر، ص ۱۴۴-۱۴۹

اصول ومبادی تصنیف کی،[8] جس میں اسلامی نظام زندگی کا جامع تصور پیش کیا کہ اسلام ایک عالم گیر تہذیب ہے اور یہ انسانی زندگی کے تمام گوشوں پر حاوی ہونے کی صلاحیت رکھتا ہے۔ علاوہ ازیں **تنقیحات** کے مضامین بھی اس ابتدائی دور میں لکھے گئے،[9] جس میں باطل کے ساتھ تعامل کی قطعی نفی کرکے یہ بات واضح کی کہ باطل کے تسلط کے ہوتے ہوئے اسلامی نظام یا قیام ممکن نہیں ہے۔

اس کے بعد وہ دور آیا جس میں ہندوستان میں آزادی کی تحریک فیصلہ کن مراحل میں داخل ہوئی۔[10] متحدہ ہندوستان میں یہاں کے سب سے معتبر دینی حلقے نے وطنی قومیت کو مذہبی بنیادیں فراہم کرکے مسلمانوں کے لیے کانگریس میں شمولیت کے راستے ہم وار کیے۔ اس کے برعکس مسلم لیگ ہندوستان میں مسلمانوں کی نمائندہ جماعت تھی، جو کانگریس کے بالمقابل مسلمانوں کا مقدمہ لڑنے کی مدعی تھی۔ تحریک پاکستان میں ۳۷-۱۹۳۶ء کے الیکشن کے بعد کا زمامہ نہایت اہمیت رکھتا، یہی زمانہ تھا جس کے بعد تحریک تیزی سے آگے بڑھتی چلی گئی۔ بالکل اسی دور میں کانگریس نے "Muslim Mass Contact" کے نام سے مسلمانوں کو اپنا ہم نوا بنانے کے لیے تحریک آغاز کیا۔ ایک بااثر دینی حلقے کی کانگریس کی تائید مسلم لیگ کے لیے ایک مشکل مرحلہ تھا۔ یہ ایک مسلم تاریخی حقیقت ہے کہ مسلم لیگ کے پاس کانگریس کی حمایت کرنے والے علما کے علمی رد کے لیے مسلم لیگی لیڈروں کی تقریروں کے سوا ایسا کوئی مضبوط علمی بنیاد موجود نہیں تھی جس کے بنا کانگریس اور اس کے ساتھ علما کی علمی تائید کا رد کرسکے۔[11]

یہی دور تھا جس میں مولانا مودودی نے متحدہ قومیت کے نظریے کی تردید میں وہ مضامین لکھے جس کو بعد میں **مسلمان اور موجودہ سیاسی کشمکش** (حالیہ نام: **تحریک آزادی ہند اور مسلمان**) کے عنوان سے کتاب کی

8- یہ کتاب ان مضامین کا مجموعہ ہے جو مولانا نے ۱۹۳۲-۳۳میں ۱۸ قسطوں میں ماہ نامہ "ترجمان القرآن" کے لیے تحریر کیے۔ کتاب کی صورت میں ۱۹۵۵ء میں شائع ہوئے: سیّد ابوالاعلیٰ مودودی، **اسلامی تہذیب کے اصول ومبادی** (اچھرہ لاہور: مرکزی مکتبہ جماعت اسلامی پاکستان، ۱۹۵۵ء)

9- یہ کتاب ان مضامین کا مجموعہ ہے جو ۱۹۳۴ء-۳۷ء کے زمانے میں لکھے گئے اور کتاب کی صورت میں ۱۹۳۹ء میں شائع ہوئے: سیّد ابوالاعلیٰ مودودی، **تنقیحات** (لاہور: دفتر ترجمان القرآن، ۱۹۳۹ء)

10- جب محمد علی جناح (1876-1948ء) نے 1936ء-37 کے الیکشن کے بعد مسلم لیگ کی تشکیل نو کی۔

11- تاہم اقبال کے مشورے اور دعوت پر "دارالاسلام" منصوبے میں ایک اہم امر مسلم لیگ کی فکری کمی کو پورا کرنا اور ان کی رہنمائی کرنا بھی شامل تھا۔ اکتوبر ۱۹۳۷ء میں اقبال کے ساتھ مولانا مودودی کی جو ملاقات ہوئی تھی اس میں یہ پہلو پر بحث ہوئی تھی۔ دیکھیے ڈاکٹر سید ظفر الحسن کے نام مولانا مودودی کا مکتوب: **خطوطِ مودودی**، ص ۱۹۷-۲۰۵۔

صورت میں شائع ہوئے۔[12] مسلم لیگ نے بڑے پیمانے پر ان کتابوں کی اشاعت کا اہتمام کیا۔ اس دور سے معلوم ہوتا ہے کہ مسلم لیگ کے پاس جو واحد علمی سہارا لٹریچر کی صورت میں تھا وہ مولانا مودودی کی تحریریں تھیں۔[13]

اس کے کچھ ہی عرصہ بعد مولانا مودودی نے مسلم لیگ کو بھی ہدفِ تنقید بنایا کہ یہ جو دعوی کو لے کر اٹھی ہے، اس کے لیے ان کے پاس اس کو عملی شکل دینے کے لیے کوئی منظم پروگرام(Well thought out Plan)اور مضبوط علمی بنیادیں نہیں ہیں، جس سے ایک مثالی اسلامی نظام حکومت اور معاشرہ وجود پذیر ہوں۔ اسلامی معاشرے کے قیام کے لیے انفرادی تربیت سے لے اجتماعی سطح تک جس جدوجہد کی ضرورت ہوتی ہے، مسلم لیگ کے پاس وہ افراد کار ہے، نہ قیادت، افراد سازی اور قیادت بنانے کے لیے کوئی باضابطہ نظام رکھتی ہے۔ یہی وجہ تھی کہ مولانا مودودی نے اس کام پر اپنی توانائیاں صرف کرنا شروع کیں، اپنی تحریروں میں مختلف پہلوؤں سے اسلامی ریاست کے قیام کے خط و خال واضح کیے۔ اس سلسلے میں وہ مقالہ نہایت اہمیت کا حامل ہے جو "اسلام کا نظریۂ سیاسی" کے عنوان سے شائع ہوا[14] اس میں حاکمیت الٰہی کی تشریح کو قرآن و سنت اخذ کر کے رائج الوقت اسلوب میں پیش کر کے دورِ جدید کے مختلف سیاسی نظاموں سے واضح کیا کہ غیر الٰہی بنیادوں پر قائم ہونے والی حکومتیں دراصل شرک کی علم بردار ہیں، ان ممالک کی دستور ساز اسمبلیاں عوام کے لیے الٰہ کی حیثیت رکھتی ہیں۔ مزید براں اسی مضمون میں "اسلامی ریاست" کے اجزاے ترکیبی کے لیے معاصر اسلوب میں بعض مخصوص اصطلاحات کا سہارا لیا۔ گویا اس مضمون میں علوم سیاسیات کی جدید زبان میں اسلامی ریاست کا پورا نقشہ پیش کیا گیا۔

ازاں بعد مولانا نے مذکورہ نظام کے عملی نفاذ کے لیے "اسلامی حکومت کس طرح قائم ہوتی ہے"[15] کے نام سے ایک مضمون تحریر کیا۔ جس میں اقامت دین، اسلام کا نصب العین جیسے تصورات پیش

12– سیّد ابوالاعلیٰ مودودی، **تحریک آزادی ہند اور مسلمان**، (لاہور: اسلامک پبلی کیشنز، ۲۰۱۴ء)

13– تفصیل کے لیے راقم کی تحریر دیکھیے: "تحریک پاکستان میں مولانا مودودی کے لٹریچر کا علمی کردار، "دلیل" ۳ مئی، ۲۰۲۰ء: https://daleel.pk/2020/05/03/138857, Last access 23 July 2020.

14– **"اسلام کا نظریہ سیاسی"** ماہ نامہ "ترجمان القرآن" لاہور (دسمبر ۱۹۳۹ء)، ص ۱۴-۴۶۔

15– سید ابوالاعلیٰ مودودی، "اسلامی حکومت کس طرح قائم ہوتی ہے"، ماہ نامہ "ترجمان القرآن" (مارچ، ۱۹۴۱ء)، ص ۷۴-۸۳۔

کرنے کے بعد ایک خاص طریقہ کار اور منہج طے کیا۔ یہ نہایت بنیادی اور اہم تحریر ہے، راقم کی رائے میں مولانا اصولی اعتبار سے اپنے اسی موقف پر آخری وقت تک قائم رہے۔[16] تاہم یہی مضامین تھے جنھوں نے بالآخر ۱۹۴۱ء میں چند انسانوں کو جماعت اسلامی کے نام سے ایک جماعت بنانے کے لیے اکٹھا کر دیا تاکہ وہ اس نصب العین کے لیے اس خاص طریقے پر کام کریں۔[17] مولانا مودودی کے الفاظ میں: جماعت اسلامی کے مبدا تخلیق کو سمجھنے کے لیے ان مضامین کی طرف رجوع کرنا ضروری ہے۔ یہ تھا وہ پس منظر جس میں مولانا مودودی نے اپنی تحریک کا آغاز کیا۔

جدوجہد قبل از آزادی

آزادی سے قبل مولانا مودودی کی زیادہ تر توجہ انفرادی اور معاشرتی اصلاح پر تھی، انتخابات کے ذریعے اس نصب العین کے نفاذ کو درست نہیں سمجھتے تھے کیوں کہ آپ کے نزدیک غیر اسلامی اور سیکولر ریاست میں اسلامی نظام کا نفاذ کو ممکن تصور نہیں کرتے تھے۔ مزید برآں سیکولر نظام میں انتخابات کے ذریعے قیادت کا راستہ اپنانا عقیدے کے خلاف سمجھتے تھے۔ جس کی وجہ اس اصل میں "اقتدار اعلیٰ" کی بحث تھی۔ اس کے برعکس انھوں نے زیاد توجہ دعوت پر مرکوز رکھی۔ تاہم آزادی سے قبل کے حالات میں ذیل میں دیے گئے امکانات کو واضح کیا انھوں نے پورے قضیے کو یوں واضح کیا:

"الیکشن لڑنا اور اسمبلی میں جانا اگر اس غرض کے لیے ہو کہ ایک غیر اسلامی دستور کے تحت ایک لادینی (Secular) اور جمہوری (Democratic) ریاست کے نظام کو چلایا جائے تو یہ ہمارے عقیدہ توحید اور ہمارے دین کے خلاف ہے۔ لیکن اگر کسی وقت ہم ملک کی رائے عام کو اس حد تک اپنے عقیدہ و مسلک سے متفق پائیں کہ ہمیں یہ توقع ہو کہ عظیم اکثریت کی تائید سے ہم ملک کا دستور حکومت تبدیل کر سکیں گے تو کوئی وجہ نہیں کہ ہم اس طریقے سے کام نہ لیں۔ جو چیز لڑے بھڑے بغیر سیدھے طریقے سے حاصل ہو سکی ہو اس کو خواہ مخواہ ٹیڑھی انگلیوں ہی سے نکالنے کا ہم کو شریعت نے حکم نہیں دیا ہے۔ مگر خوب سمجھ لیجیے کہ یہ طریق کار ہم صرف اس وقت اختیار کریں گے جب کہ:

16- 5 مارچ 1975ء میں مولانا نے ایک سوال کے جواب میں بھی یہی فرمایا ہے: 1938ء میں اسلامی نظام کا پورا نقشہ میرے ذہن میں آگیا تھا جس نے میں آج تک ترمیم و اضافہ کی ضرورت محسوس نہیں ہوئی"۔ عاصم نعمانی، سید مودودی کے ساتھ گزرے ہوئے یادگار لمحات (لاہور: ادارۃ معارفِ اسلامی، 1993ء)، ص 131)۔ آخری دور تک سے ہماری مراد جمہوری اور آئینی طریقہ کار ہے۔ جماعت اسلامی کا انتخابی سیاست فی الحال ہمارا موضوع نہیں ہے۔

17- آئندہ لائحہ عمل، ص22

اولاً: ملک میں ایسے حالات پیدا ہو چکے ہوں کہ محض رائے عام کا کسی نظام کے لیے ہموار ہو جانا ہی عملاً اس نظام کے قائم ہونے کے لیے کافی ہو سکتا ہو۔

ثانیاً ہم اپنی دعوت و تبلیغ سے باشندگان ملک کی بہت بڑی اکثریت کو اپنا ہم خیال بنا چکے ہوں اور اسلامی نظام قائم کرنے کے لیے ملک میں عام تقاضا پیدا ہو چکا ہو۔

ثالثاً: انتخابات غیر اسلامی دستور کے تحت نہ ہوں بلکہ بنائے انتخابات ہی یہ مسئلہ ہو کہ ملک کا آئندہ نظام کس دستور پر قائم کیا جائے۔[18]

اس پر مولانا کے اپنے حلقے کے لوگوں نے یہ سوال اٹھایا کہ اگر انتخابات کا راستہ بند ہے تو کیا مسلح جدوجہد کے ذریعے اسلام کے نصب العین کا حصول جائز ہے؟ اس نوعیت کے سوالات اٹھنے سے مولانا نے آزادی سے قبل بھی اپنا نقطۂ نظر ان الفاظ میں بیان کیا:

"اصولی طریق کار یہی ہے کہ پہلے ہم اپنی دعوت پیش کریں گے۔ پھر ان لوگوں کو جو ہماری دعوت قبول کریں، منظم کرتے جائیں گے۔ پھر اگر رائے عام کی موافقت سے، یا حالات کی تبدیلی سے کسی مرحلے پر ایسے آثار پیدا ہو جائیں کہ موجودہ الوقت دستوری طریقوں ہی سے نظام حکومت کا ہمارے ہاتھوں میں آجانا ممکن ہو اور ہمیں توقع ہو کہ ہم سوسائٹی کی اخلاقی، تمدنی اور سیاسی و معاشی نظام کو اپنے اصول پر ڈھال سکیں گے تو ہمیں اس موقع سے فائدہ اٹھانے میں کوئی تامل نہ ہوگا۔ اس لیے کہ ہمیں جو کچھ بھی واسطہ ہے اپنے مقصد سے ہے نہ کہ کسی خاص طریقے (Method) سے۔ لیکن اگر پرامن ذرائع سے جوہر اقتدار (Substance of Power) ملنے کی توقع نہ ہو تو پھر ہم عام دعوت جاری رکھیں گے اور تمام جائز شرعی ذرائع سے انقلاب برپا کرنے کی کوشش کریں گے۔"[19]

آزادی ہند سے قبل کے جو حالات تھے، ان میں بھی مولانا غیر دستوری جدوجہد کے قائل نہ تھے۔

دستوری جدوجہد بعد از تقسیم ہند

آزادی سے قبل مسلم لیگ کی مرکزی قیادت کا دستور کے حوالے سے کوئی سنجیدہ سرگرمی نظر نہیں آتی۔ تاہم نچلی سطح پر اس عمل کے لیے جو کوششیں ہوئیں ان میں نواب آف چھتاری کی کاوش نمایاں ہے۔ ۱۹۴۰ء میں "قرارداد پاکستان" منظور ہونے کے بعد تحریک پاکستان تیزی سے آگے بڑھتا گیا۔ پاکستان کے حوالے سے اسلام کے سیاسی اور اقتصادی نظام کے پیشِ نظر نواب سر احمد سعید خان آف چھتاری (۱۹۸۲ء-۱۸۸۸) نے "اسلام کے نظام سیاست و معیشت کی تدوین" کے لیے ایک مجلس بنائی جس میں مولانا شبیر احمد عثمانی (۱۹۴۹ء-

---

18- رسائل و مسائل حصہ اول ص462- 63۔ یہ مضمون دسمبر 1945ء کے ترجمان میں شائع ہوا تھا۔

19- رسائل و مسائل حصہ اول، ص۵۰۹ دراصل یہ مضمون ستمبر و اکتوبر ۴۵ء کے ترجمان القرآن میں شائع ہوا تھا۔

۱۸۸۷ء)، مولانا آزاد سبحانی، مولانا عبدالحامد بدایونی (۱۹۷۰ء-۱۸۹۸ء)، مولانا سید سلیمان ندوی (۱۹۵۳ء-۱۸۸۴ء)، مولانا عبدالماجد دریابادی (۱۹۷۷ء-۱۸۹۲ء)، مولانا محمد اسحاق سندیلوی (۱۹۹۵ء-۱۹۱۳ء)، ڈاکٹر ذاکر حسین، اور مولانا مودودی شامل تھے۔ اس کا اجلاس جنوری ۱۹۴۱ء کو دارالعلوم ندوۃ العلما میں منعقد ہوا۔ اگر چہ یہ عمل آگے نہیں بڑھ سکا لیکن یہ اپنی جگہ ایک اچھی کاوش تھی۔ مولانا سندیلوی نے اس کا مسودہ تیار کیا، جو ۱۹۵۷ء میں دار المصنفین اعظم گڑھ سے **اسلام کا سیاسی نظام** کے نام سے شائع ہوا۔[20] اس کمیٹی میں مولانا مودودی کی شرکت پر پروفیسر خورشید احمد (پ: ۱۹۳۲ء) لکھتے ہیں:

"مسلم لیگ سے تدبیر کے معاملہ میں اختلافات کے باوجود مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودی اور مولانا سید سلیمان ندوی نے تحریکِ پاکستان کے تعمیری کاموں میں مثبت تعاون کیا۔ . . . اس سے صاف ظاہر ہے کہ چند بنیادی اختلافات کے باوجود مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودی نے تحریکِ پاکستان سے علمی تعاون کیا اور مسلم لیگ کی قیادت نے ان سے تعاون حاصل کیا۔"[21]

تحریک آزادی کے دوران مولانا مسلم لیگ کو جس بنیاد پر ہدفِ تنقید بنایا اور جن اندیشوں کا اظہار کیا تھا وہ پاکستان بننے کے بعد درست ثابت ہونا شروع ہوئے۔ مسلم لیگ کے بعض اہم لیڈروں نے آزادی سے قبل کیے گئے وعدوں میں پس و پیش شروع کیا۔ آغاز میں دستور ساز اسمبلی کے کاروائیوں اور بعض مسلم لیگی لیڈروں کے بیانات سے یہ امر واضح ہوا کہ تقسیم کا مقدمہ جس بنیاد پر کامیاب سے ہم کنار کیا گیا تھا، وہ اب اس میں سنجیدہ نہیں ہیں بلکہ اس کے برعکس نظام کو لانے کی کوشش کر رہے ہیں۔ مسلم لیگ کے اس رویے کی وجہ سے مولانا نے "مطالبہ نظام اسلامی" مہم کا آغاز کیا۔ اس مہم کے پیچھے اصل محرک مسلم لیگ کے صفِ اول کے لیڈروں کے وہ بیانات تھے، جو پاکستان کو سیکولر ریاست بنانے پر مبنی تھے۔ اس سلسلے میں ان کا مشہور نعرہ سامنے آیا کہ: "اگر ہم نے پاکستان کو اسلامی ریاست بنایا تو ہندو بھارت میں رام راج قائم کر دیں گے"۔[22] مسلم لیگ کی اس ژولیدہ فکری پر قائد اعظم نے کراچی میں عید میلاد النبی کی تقریب سے خطاب کرتے ہوئے فرمایا:

20– محمد اسحاق سندیلوی، **اسلام کا سیاسی نظام**، (اعظم گڑھ: مطبع معارف، ۱۹۵۷ء)۔

21– سفیر اختر، سید مودودی اور ماہنامہ "معارف (اسلام آباد: بک ٹریڈرز جناح سپر مارکیٹ، ۱۹۹۹ء)، ص ۱۲

22– مولانا مودودی نے لا لج جنوری میں جو تقریر کی تھی، اس میں جن شبہات کے ازلے کی کوشش کی گئی ہے، اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اربابِ اقتدار اسلامی نظام کے نفاذ میں سنجیدہ نہیں تھے، وجیہ الدین سے ریڈیو پر مباحثے سے بھی اس پر روشنی پڑتی ہے۔ دیکھیے: "کیا پاکستان کو ایک مذہبی ریاست ہونا چاہیے؟"، مشمولہ: **تحریک آزادی ہند اور مسلمان** (لاہور: اسلامک پبلی کیشنز، ۲۰۱۴ء)، ج ۲، ص ۳۰۰-۳۹۷۔

I cannot understand why this feeling of nervousness that the future constitution of Pakistan is going to be in conflict with Sharl'at Law? There is one section of the people who keep on impressing everybody that the future constitution of Pakistan should be based on the Sharl'ah. The other section deliberately want to create mischief and agitate that the Shari'at Law must be scrapped." (23)

مولانا مودودی نے اس پوری صورت حال کا خلاصہ ان الفاظ میں پیش کیا ہے:

"جن لوگوں کے ہاتھ ہم نے اپنی باگیں دے دی ہیں وہ ایک مدت سے متضاد باتیں کہ رہے ہیں۔ یہ حضرات کبھی یہ کہتے ہیں کہ ہمارے پاکستان حاصل کرنے کے کوئی معنی ہی نہیں، اگر یہاں اسلامی نظامِ حکومت قائم نہ کیا جائے۔ کبھی کہتے ہیں کہ یہاں ایک لادینی جمہوری اسٹیٹ (Secular Democratic State) قائم کیا جائے گا۔ کبھی کہتے ہیں کہ یہاں قرآن کی حکومت ہوگی۔ اور کبھی یہ اعلان کرتے ہیں کہ یہاں سیاسی حیثیت سے نہ ہندو ہندو ہوگا، نہ مسلمان مسلمان، بلکہ سب محض پاکستانی ہوکے رہیں گے۔ پھر اسلامی حکومت کی بھی مختلف تعبیریں کی جاتی ہیں۔ کبھی اس کی یہ تعبیر کی جاتی ہے کہ یہ انصاف اور مساوات اور اخوت کا ہم معنی ہے اور کبھی "اسلامی سوشلزم" کی اصطلاح استعمال کی جاتی ہے۔ نہ معلوم یہ اسلامی سوشلزم کیا چیز ہے؟ میرا خیال ہے کہ یہ لوگ خود بھی اس کا مطلب نہیں جانتے۔ کبھی یہ اسلامی جمہوریت کا بھی چرچا کرتے ہیں"(24)

ان متضاد بیانات پر مولانا مودودی اسلامی دستور کے بارے میں پہلے دن سے واضح کر چکے تھے کہ پاکستان میں اسلامی نظام کسی طریقے سے نافذ ہوگا۔ لکھتے ہیں:

"واضح طور پر سمجھ لیجیے کہ یہاں اسلامی نظام کا قیام صرف دو طریقوں سے ممکن ہے:
ایک یہ کہ جن لوگوں کے ہاتھ میں اس وقت زمام کار ہے وہ اسلام کے معاملے میں اتنے مخلص اور پنے ان وعدوں کے بارے میں جو انھوں نے اپنی قوم سے کیے تھے اتنے صادق ہوں کہ اسلامی حکومت قائم کرنے کی جو اہلیت ان کے اندر مفقود ہے اسے خود محسوس کریں اور ایمان داری کے ساتھ یہ مان لیں کہ پاکستان حاصل کرنے کے بعد ان کا کام ختم ہو گیا ہے اور یہ کہ اب یہاں اسلامی نظام تعمیر کرنا ان لوگوں کا کام ہے جو اس کے اہل ہوں۔ اس صورت می معقول طریق کار یہ ہے پہلے ہماری دستور ساز اسمبلی ان بنیادی امور کا علان کرے جو ایک غیر اسلامی نظام کو اسلامی نظام میں تبدیل کرنے کے لیے اصولاً ضروری ہیں (جنھیں ہم نے اپنے "مطالبہ" میں بیان کر دیا ہے)، پھر وہ اسلام کا علم رکھنے

23 – Dawn, Jan. 26, 1948 (from an address before the Sindh Bar Association, on the occasion of the Prophet Day).

24– **تحریک آزادی ہند اور مسلمان**، ج ۲، ص ۳۶۸-۳۶۹۔

والے لوگوں کو دستور سازی کے کام میں شریک کرے اور ان کی مدد سے ایک مناسب ترین دستور بنائے، پھر نئے انتخابات ہو اور قوم کو موقع دیا جائے کہ وہ زمام کار سنبھالنے کے لیے ایسے لوگوں کو منتخب کرے جو اس کی نگاہ میں اسلامی نظام کی تعمیر کے لیے اہل ترین ہوں۔ اس طرح صحیح جمہوری طرق پر اختیارات اہل ہاتھوں میں بہ سہولت منتقل ہو جائیں گے اور وہ حکومت کی طاقت اور ذرائع سے کام لے کر پورے نظام زندگی کی تعمیر جدید اسلامی طرز پر کر سکیں گے۔

دوسرا طریقہ ہے کہ معاشرے کو جڑ سے ٹھیک کرنے کی کوشش کی جائے اور ایک عمومی تحریک اصلاح کے ذریعے س اس میں خالص اسلامی شعور وارادہ وبہ تدریج اس حد تک نشو نما دیا جائے کہ جب وہ اپنی پختگی کو پہنچے تو خود بہ خود اس سے ایک مکمل اسلامی نظام وجود میں آجائے۔

ہم اس پہلے طریقہ کا آزمارہے ہیں۔ اگر اس میں ہم کامیاب ہوگئے تو اس کے معنی یہ ہوں گے کہ پاکستان کے قیام کے لیے ہماری قوم نے جو جدوجہد کی تھی وہ لاحاصل نہ تھی بلکہ اسی کی بدولت اسلامی نظام کے نصب العین تک پہنچنے کے لیے ایک سہل ترین اور قریب ترین راستہ ہمارے ہاتھ آگیا۔ لیکن اگر خدانخواستہ ہمیں اس میں ناکامی ہوئی اور اس ملک میں ایک غیر اسلامی ریاست قائم کردی گئی تو یہ مسلمانوں کی ان تمام محنتوں اور قربانیوں کا صریح ضیاع ہوگا جو قیام پاکستان کی راہ میں انھوں نے کیں، اور اس کے معنی یہ وہں کہ ہم پاکستان بننے کے بعد بھی اسلامی نقطۂ نظر سے اسی مقام پر ہین جہاں پہلے تھے۔ اس صورت میں ہم پھر دوسرے طریقہ پر کام شروع کردیں گے، جس طرح پاکستان بننے سے پہلے کررہے تھے۔[25]

تاہم کچھ مسلم لیگی قائدین نے یونی ورسٹی لاء کالج لاہور میں مولانامودودی کو اسلامی قانون پر لیکچر دینے کی دعوت دی۔ ان میں نمایاں شخصیت ڈاکٹر عمر حیات تھے جو دستور ساز اسمبلی کے رکن بھی تھے۔ مولانا نے ۶ جنوری اور ۱۹ فروری ۱۹۴۸ء کو تقایر کیں جو "پاکستان میں اسلامی قانون کیوں نہیں نافذ ہوسکتا؟"[26] اور "پاکستان میں اسلامی قانون کس طرح نافذ ہوسکتا ہے؟"[27] کے عنوان شائع ہوئیں۔ بعد ازاں اپریل اور مئی ۱۹۴۸ء میں مولانا نے لاہور، ملتان، کراچی، راولنڈی، سیالکوٹ اور پشاور میں "مطالبہ نظام اسلامی" کے لیے جماعت اسلامی کے عام اجتماعات میں تقریریں کیں۔[28] چناں چہ

25– ماہ نامہ "**ترجمان القرآن**" لاہور (ستمبر ۱۹۴۸ء)، ص ۷۱-۷۲۔

26– ماہ نامہ "**ترجمان القرآن**" لاہور (جولائی، ۱۹۴۸ء)، ص ۳۹-۶۷؛ مشمولہ: **تحریک آزادی ہند اور مسلمان**، ج ۲، ص ۳۰۸-۳۳۸۔

27– **ترجمان القرآن**" (اگست، ۱۹۴۸ء)، ص ۳۸-۶۰؛ **تحریک آزادی ہند اور مسلمان**، ج ۲، ص ۳۳۹-۳۵۶

28– یہ تقریریں مولانا کی سیفٹی ایکٹ کے تحت گرفتاری کی وجہ "ترجمان القرآن" میں سے شائع نہ ہوسکیں، بعد ازاں ۱۹۴۹ء کے آغاز پمفلٹ کی صورت میں شائع ہوئیں: سیّد ابوالاعلیٰ مودودی، **مطالبہ نظام اسلامی** (لاہور: مرکزی مکتبہ جماعت اسلامی، ۱۹۴۸ء)۔ "**ترجمان القرآن**" میں بھی (جون ۱۹۴۹ء، ص ۱۲-۳۲) شائع ہوا۔ اب یہ **تحریک آزادی ہند اور مسلمان** حصہ دوم میں بھی شامل ہے۔ دیکھیے: **تحریک آزادی ہند اور مسلمان**، ج ۲، ص ۳۵۷-۳۸۴۔

"پاکستان میں اسلامی قانون کیوں نہیں نافذ ہو سکتا؟" میں اسلامی قانون کا عصری اسلوب میں عمومی تعارف اور بعض شبہات اور عذرات کا ازالہ کیا گیا، اس کے آغاز میں "بنیادی حق کا تصور" کے زیر عنوان حاکمیت (Sovereignty) کے تصور کو واضح کیا گیا۔ ثانی الذکر لیکچر میں " پاکستان میں اسلامی قانون کس طرح نافذ ہو سکتا ہے؟" کے نام سے دیا گیا جس میں پورے طریقِ کار کو واضح کیا گیا۔ وہ چار نکات بھی اسی لکچر میں پیش کیے گئے تھے، جس پر آگے ۶ مارچ ۱۹۴۸ کو جہانگیر پارک کراچی میں "مطالبہ نظام اسلامی" کے نام سے باقاعدہ مہم کا آغاز کیا۔ تاہم مذکورہ لیکچر میں اسلامی نظام کے نفاذ کا حسبِ ذیل طریقِ کار بتایا گیا:

"۔۔۔۔ پاکستان اسلام کے نام سے اور اسلام کے لیے مانگا گیا ہے اور اسی بنا پر ہماری مستقل ریاست قائم ہوئی ہے تو ہماری اس ریاست ہی کو وہ معمار طاقت بننا چاہیے جو اسلامی زندگی کو تعمیر کرے۔ اور جب کہ یہ ریاست ہماری اپنی ریاست ہے اور ہم اپنے تمام قومی ذرائع و وسائل اس کے سپرد کر رہے ہیں، تو کوئی وجہ نہیں کہ ہم اس تعمیر کے لیے کہیں اور سے معمار فراہم کریں۔

یہ بات اگر صحیح ہے تو پھر اس تعمیر کی راہ میں پہلا قدم یہ ہونا چاہیے کہ ہم اپنی ریاست کو، جو ابھی تک انگریز کی چھوڑی ہوئی کافرانہ بنیادوں پر قائم ہے، مسلمان بنائیں۔ اور اسے مسلمان بنانے کی آئینی صورت یہ کہ ہماری دستور ساز اسمبلی باقاعدہ اس امر کا اعلان کرے کہ

۱- پاکستان میں حاکمیت خدا کی ہے اور ریاست اس کے نائب کی حیثیت سے ملک کا انتظام کرے گی

۲- رہاست کا اساسی قانون شریعت خداوندی ہے جو محمد ﷺ کے ذریعہ سے ہمیں پہنچی ہے

۳- تمام پچھلے قوانین جو شریعت سے متصادم ہوتے ہیں بتدریج بدل جایے جائیں اور آئندہ کوئی ایسا قانون نہ بنایا جا سکے گا تو شریعت سے متصادم ہوتا ہے۔

۴- ریاست اپنے اختیارات کے استعمال میں اسلامی حدود سے تجاوز کرنے کی مجاز نہ ہو گی۔

یہ وہ کلمۂ شہادت ہے جسے اپنی آئینی زبان ـــــ یعنی دستور ساز اسمبلی ـــــ کے ذریعہ سے ادا کر کے ہماری ریاست "مسلمان ہو جائے گی۔[29]

دوسرے اقدام کے عنوان کے تحت لکھتے ہیں:

"اس اعلان کے بعد ہی صحیح طور پر ہمارے رائے دہندوں کو یہ معلوم ہو گا کہ انہیں کس مقصد اور کس کام کے لیے اپنے نمائندے منتخب کرنے ہیں۔ عوام میں علم و دانش کی لاکھ کمی سہی، مگر وہ اتنی سمجھ بوجھ ضرور رکھتے ہیں کہ انہیں کام کے لیے کس کی طرف رجوع کرنا چاہیے اور ان کے درمیان کون لوگ کس مطلب کے لیے موزوں ہیں۔ آخر وہ اتنے

29– **تحریک آزادی ہند اور مسلمان**، ج2، ص345-346۔

نادان تو نہیں ہیں کہ علاج کے لیے وکیل اور مقدمہ لڑنے کے لیے ڈاکٹر کو تلاش کریں۔ وہ اس کو بھی کسی نہ کسی حد تک جانتے ہیں کہ ان کی بستیوں میں ایماندار اور خدا ترس لوگ کون ہیں، چالاک اور دنیا پرست کون، اور شریر و مفسد کون۔ جیسا مقصد ان کے سامنے ہوتا ہے ویسے ہی آدمی وہ اس کے لیے اپنے اندر ڈھونڈ نکالتے ہیں۔ اب تک ان کے سامنے یہ مقصد آیا ہی نہ تھا کہ انہیں ایک دینی نظام چلانے کے لیے آدمی درکار ہیں۔ پھر وہ اس کے چلانے والے آکر تلاش کرتے تو کیوں۔ جیسا بے دین اور غیر اخلاقی نظام ملک میں قائم تھا اور اس کا مزاج جس قسم کے آدمی چاہتا تھا، اس کے لیے ویسے ہی آدمیوں پر لوگوں کی نگاہ انتخاب پڑی انہی کو رائے دہندوں نے چن کر بھیج دیا۔ اب اگر ہم ایک اسلامی ریاست کا دستور بنائیں اور لوگوں کے سامنے سوال یہ آجائے کہ اس نظام کو چلانے کے لیے انہیں موزوں آدمی منتخب کرنے ہیں، تو چاہے ان کا انتخاب کمال درجہ کا معیاری نہ ہو، مگر بہر حال اس کام کے لیے ان کی نگاہیں فساق و فجار اور دین مغربی کے مومنین پر نہیں پڑیں گی۔ وہ اس کے لیے انہی لوگوں کو تلاش کریں گے جو اخلاقی، ذہنی اور علمی حیثیت سے اس کے اہل ہوں گے۔

پس ریاست کو مسلمان بنانے کے بعد تعمیر حیات اسلامی کی راہ میں دوسرا قدم یہ کہ جمہوری انتخاب کے ذریعہ سے اس ریاست کی زمام کار ایسے لوگوں کے ہاتھ میں منتقل ہو جو اسلام کو جانتے بھی ہوں اور اس کے مطابق ملک کے نظام کو ڈھالنا چاہتے بھی ہوں۔"[30]

اس کے بعد تیسرا اقدام یہ بیایا گیا ہے کہ اجتماعی زندگی کے مختلف پہلوؤں کی ہمہ گیر اصلاح کا منصوبہ (Plan) بنایا جائے اور اسے عمل میں لانے کے لیے ریاست کے تمام ذرائع وسائل استعمال کیے جائیں۔"[31]

یہاں یہ وضاحت ضروری معلوم ہوتی ہے کہ مولانا کا مسلم لیگ کے ساتھ بنیادی اختلاف ان کے طریق کار پر تھا، ان کے پاس افراد سازی کا کوئی پروگرام نہ تھا۔ بعد میں جب مولانا نے دستور مہم کا آغاز کیا، اور پھر انتخابات میں حصہ لینا شروع کیا تو بظاہر یہ تضاد محسوس ہونے لگا کہ جس بنیاد پر مولانا نے مسلم لیگ کو ہدفِ تنقید بنایا، اب خود اسی پر عمل پیرا ہیں۔ مولانا اس سے قبل اسلامی انقلاب سے پہلے سماجی انقلاب پر زور دیتے آرہے تھے، لیکن آزادی کے بعد جب ملک میں دستور کی بحث ہو چلی تو مولانا نے زیادہ تر توجہ "اسلامی دستور" کی مہم پر دی۔ جب یہ سوال مولانا مودودی سے پوچھا کہ اگر انفرادی اور اجتماعی تربیت کے بغیر اسلامی نظام قائم کیا گیا تو اس کے خلاف ردِ عمل پیدا نہ ہوگا؟ تو انھوں نے جواب میں لکھا:

"اس مسئلے کی اگر پوری وضاحت کی جائے تو اس کے لیے بڑے تفصیلی جواب کی ضرورت ہے، لیکن مختصراً جواب یہ ہے کہ بلاشبہ سیاسی انقلاب سے پہلے ایک مدنی، اجتماعی اور اخلاقی انقلاب کی ضرورت ہوتی ہے اور یہی اسلامی انقلاب کا فطری

30- **تحریک آزادی ہند اور مسلمان**، ج ۲، ص ۳۴۶۔

31- **"ترجمان القرآن"** (اگست ۱۹۴۸ء)، ص ۴۳ - ۴۵۔

طریقہ ہے، اور بلاشبہ یہ بات بھی درست ہے کہ اسلام کے احکام و قوانین صرف اوپر سے ہی مسلط نہیں کے جا سکتے بلکہ اندر اسے ان کا اتباع کا دلی جذبہ بھی پیدا کیا جاتا ہے، لیکن اس حقیقت سے کو انکار کر سکتا ہے کہ پاکستان کے قیام کی شکل میں سیاسی انقلاب رونما ہو چکا ہے۔ اب یہ سوال چھیڑنا بالکل بے کار ہے کہ معاشرتی انقلاب پہلے برپا کرنا چاہیے اور سیاسی انقلاب بعد میں۔ اب تو سوال یہ پیدا ہو گیا ہے کہ جب تک قوم میں ذہنی انقلاب واقع نہ ہو اس وقت تک آیا ہم سیاسی اختیارات کو کافرانہ اصولوں کے مبابق استعمال کرتے رہیں، یا ان اختیارات کو بھی اسلامی اصولوں کے مطابق کام میں لائیں۔ سیاسی اقتدار کا کوئی نہ کوئی مصرف اور مقصد بہر حال ہمیں متعین کرناپڑے گا۔ حکومت کی مشینری کو اخلاقی انقلاب رونما ہونے تک معطل بہر حال نہیں کیا جا سکتا۔ . . . . پھر اس معاملے کا ایک دوسرا پہلو بھی ہے اور وہ یہ کہ اگر آپ اجتماعی و اخلاقی انقلاب لانا چاہتے ہیں تو آپ کو غور کرنا پڑے گا کہ اس انقلاب کے ذرائع و وسائل کیا ہو سکتے ہیں۔ ظاہر ہے کہ ان ذرائع میں تعلیم و تربیت، معاشرتی اصلاح، ذہنی اصلاح اور اسی قسم کی بہت سی چیزیں شامل ہیں۔ انھی کے ساتھ ساتھ حکومت قانونی اور سیاسی ذرائع و وسائل بھی ہیں۔ حکومت کی طاقت نہ صرف بجائے خود ایک بڑا ذریعۂ اصلاح ہے، بلکہ وہ ساری اصلاحی تدابیر کو زیادہ موثر، نتیجہ خیز اور ہمہ گیر بنانے کا بھی ذریعہ ہے۔ اب آخر کیا وجہ ہے کہ اخلاقی انقلاب لانے کے لیے حکومت کے وسائل کو بھی استعمال نہ کیا جائے۔"[32]

اس سے قبل بھی مولانا اس بات کی وضاحت کر چکے تھے:

"اس مطالبہ کی ضرورت اس لیے پیش آئی کہ یہاں ایک مصنوعی انقلاب رونما ہو گیا ہے۔ اگر یہ اسلامی اصولوں کے مطابق فطری طور پر رونما ہوا ہوتا، تو اس مطالبہ کی ضرورت پیش نہ آتی، بلکہ انقلاب کے ساتھ ہی آپ کے ملک میں اسلامی حکومت قائم ہو جاتی۔ لیکن بحالتِ موجود ایک مصنوعی انقلاب کے جتنا اس امر کا امکان ہے، کہ یہاں اسلامی نظام قائم کیا جائے، اتنا ہی اس امر کا بھی امکان ہے ایک غیر اسلامی نظام اس ملک پر مسلط کر دیا جائے۔"[33]

اس سے مولانا کا موقف واضح ہو جاتا ہے۔ مزید یہ کہ اوپر تیسرے اقدام کے تحت سماجی انقلاب کو بھی اپنے بنیادی مطالبات میں شامل کیا، گویا یہ حکومت کے ذریعے بہ طریقہ احسن ممکن تھا۔

ڈائریکٹر ریڈیو پاکستان کی فرمائش پر ۴ جنوری سے ۱۴ مارچ تک مولانا "اسلام کا نظامِ حیات"[34] کے موضوع پر پانچ تقریریں کیں، جس میں اسلامی نظام کے خط و خال پیش کیے۔ بعد ازاں ایک فیصلہ کن مرحلہ آیا جب ریڈیو پاکستان کے نمائندہ وجیہ الدین اور مولانا مودودی کے درمیان "پاکستان کو اسلامی ریاست ہونا چاہیے" کے

32- ترجمان، ستمبر ۱۹۵۴؛ سید ابوالاعلیٰ مودودی، **اسلامی ریاست** (لاہور: اسلامک پبلی کیشنز، ۲۰۱۶ء)، ص ۴۹۹-۵۰۰۔

33- **تحریک آزادی ہند اور مسلمان**، ج ۲، ص ۳۶۸۔

34- ماہ نامہ "ترجمان القرآن" لاہور (جون ۱۹۴۸ء)، ص ۹-۵۲؛ مشمولہ: سیّد ابوالاعلیٰ مودودی، **اسلامی نظام زندگی اور اس کے بنیادی تصورات** (لاہور: اسلامک پبلی کیشنز، ۲۰۱۶ء)، ص ۲۹۴-۳۲۲۔

عنوان سے مکالمہ ہوا اور اس میں سیکولر نقطۂ نظر دلیل و برہان کے میدان میں بے بس ہو گیا۔ اس سلسلے سے جو بات سامنے آئی وہ یہ تھی کہ موجودہ نظام سیکولر بنیادوں پر کھڑا ہے، اس کو تبدیل کرنے کے لیے دستور ساز اسمبلی کو پہلے قدم پر اس امر کا اعلان کرنا چاہیے کہ پاکستان میں حاکمیت خدا کی ہے اور ریاست اس کے نائب کی حیثیت سے کام کرے گی، ریاست کا سیاسی قانون شریعتِ خداوندی ہے جو محمد ﷺ کے ذریعے سے ہمیں پہنچا ہے، تمام پچھلے قوانین جو شریعت سے متصادم ہوتے ہیں، بتدریج بدل دایے جائیں اور آئندہ کوئی ایسا قانون نہ بنایا جائے جا سکے گا کو شریعت کے خلاف ہو، ریاست اپنے اختیارات کے استعمال میں اسلامی حدود سے تجاوز کرنے کی مجاز نہ ہو گی۔[35]

قرار دارد مقاصد

قانون آزادِ ہند مجریہ ۱۹۴۷ء کی رو سے گورنمنٹ آف انڈیا ایکٹ ۱۹۳۵ء کچھ ترامیم کے ساتھ پاکستان کا عبوری دستور قرار پایا۔[36] قانون آزادِ ہند مجریہ ۱۹۴۷ کے تحت دستور ساز اسمبلی کے قیام کا مقصد دو ذمہ داریاں تھیں: نئی مملکت کے لیے دستور تیار کرنا اور دوسرا مرکزی وفاقی قانون ساز اسمبلی کے فرائض ادا کرنا۔[37] تاہم قرارداد مقاصد منظور ہونے تک مولانا پاکستان کی اسی نظر سے دیکھتے تھے جس نظر سے انگریز حکومت کو، اس کی وجہ وہ بیان کرتے ہیں:

> "ہمارے ملک کا نظام اس وقت گورنمنٹ آف انڈیا ایکٹ ۱۹۳۵ء پر قائم ہے، جسے انگریز نے اپنے اصول و مقاصد کے مطابق بنایا تھا۔ انگریز کی حکومت اسلام کی حکومت نہیں تھی، کفر کی حکومت تھی۔ پاکستان میں بھی وہی نظام حکومت اب تک قائم ہے۔ اگرچہ اسے مسلمان چلا رہے ہیں، لیکن یہ نظام اپنی فطرت کے لحاظ سے کافرانہ ہی ہے۔"[38]

اس کے بعد ریاست کو مسلمان بنانے کا پہلا اصول بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

35– "پاکستان کو ایک مذہبی ریاست ہونا چاہئے" ماہنامہ "ترجمان القرآن" (جون ۱۹۴۸ء)، ۵۳-۵۹؛ مشمولہ: **تحریک آزادی ہند اور مسلمان**، ج ۲، ص ۳۰۰- ۳۰۷۔

36 – Section 8 of the Indian Independence Act, 1947. See: Hamid Khan, Constitutional and Political History of Pakistan (Karachi: Oxford University Press, 2016) 50.

37 – Ibid,. 51.

38– **تحریک آزادی ہند اور مسلمان**، ج ۲، ص ۳۶۳۔

"اب اس نظام کو مسلمان بنانے کے لیے اگر کوئی بنیادی تبدیلی سب سے پہلے کرنے کی ہے، تو وہ یہی ہے، کہ جس طرح فرد کو مسلمان بنانے کے لیے کلمہ پڑھایا جاتا ہے اسی طرح اسے بھی کلمہ پڑھایا جائے۔"[39]

اس سلسلے میں مولانا نے پہلا قدم یہ اٹھایا کہ ریاست کو کلمہ پڑھوانے کی غرض سے دستور ساز اسمبلی کے ارکان کو اپنا پیغام پہنچایا لیکن ان کی طرف سے مایوس کن اظہار کے بعد مولانا نے عوامی تحریک اٹھائی۔[40] اسی دوران مولانا مودودی اپریل ۱۹۴۸ء کو مولانا امین احسن اصلاحی، میاں طفیل محمد اور چودھری غلام محمد کی معیت میں مولانا شبیر احمد عثمانی سے ملے اور ان کے ساتھ چار نکاتی مطالبہ ڈسکس کیا۔[41] قرارداد مقاصد کا اصل خیال بھی مولانا نے پیش کیا، انھوں نے اس تقریر میں ہندوستان کی مثال مثال دی:

"جب کسی ملک کا دستور مرتب کیا جاتا ہے، تو سب سے پہلے بطور اصول موضوعہ یہ طے کیا جاتا ہے کہ کن اصولوں کے مطابق نظام بنانا ہے۔ ابھی آپ کے سامنے ہندوستان کا دستور بن چکا ہے، اور وہاں آپ دیکھ چکے ہیں کہ سب سے پہلے ملک کی دستور ساز اسمبلی نے ایک قرارداد مقاصد پاس کر کے ان مقاصد (Objectives) کا تعین کیا ہے، جن کے لیے وہاں کی حکومت کام کرے گی، بالکل اسی طرح پاکستان میں بھی دستور سازی کا پہلا قدم یہی ہو سکتا ہے کہ مقاصد کو طے کر لیا جائے۔"[42]

مولانا مودودی نے رائے عامہ ہم وار کرنے کے لیے مارچ ۱۹۴۸ کے آغاز میں مولانا نے حکومت سے اس مطالبہ کو منوانے کے لیے ملک گیر مہم چلائی۔ جس کے نتیجے میں مولانا اپنے ارفقا سمیت پنجاب سیفٹی ایکٹ کے تحت گرفتار کر لیے گئے۔[43] تاہم یہ مہم قرارداد مقاصد کی منظوری کی صورت میں نتیجہ خیز ثابت ہوا۔[44]

39– ایضاً، ص ۳۶۳۔

40 – Pakistan Since Independence: The Political Role of the Ulama, vol 2 (PhD Dissertation, Department of Politics, University, UK, 1989), p. 314

41 – Leonard Binder, Religion and Politics in Pakistan (Berkeley and Los Angeles: University of California Press, 1963), 138.

42– **تحریک آزادی ہند اور مسلمان**، ج ۲، ص ۳۶۴۔

43– مولانا کی گرفتاری کی وجہ یہ بیان کی گئی ہے کہ انھوں نے "جہاد کشمیر" کے خلاف فتویٰ دیا ہے۔ اس مسئلہ پر مولانا ایک علمی موقف رکھتے تھے، جس پر مولانا شبیر احمد عثمانی کے ساتھ طویل مراسلت بھی ہوئی (دیکھیے) لیکن اصل وجہ یہ نہیں تھی بلکہ اسلامی دستور کو رکھوانے کے لیے آپ کی گرفتاری عمل میں لائی گئی۔ یہی وجہ تھی کہ مسئلہ کشمیر پر مولانا شبیر احمد عثمانی کے ساتھ اختلاف کے باجود مولانا عثمانی نے مولانا مودودی کی گرفتاری پر حکومت کو سخت تنقید کا نشانہ

جس وقت قراداد مقاصد منظور ہوئی اس دوران مولانا مودودی ملتان جیل میں تھے، قرارداد کا متن مولانا مودودی کو جیل میں دکھایا گیا جس میں انھوں نے بعض لفظی ترمیمات کیں۔ [45] تاہم ۱۲ مارچ ۱۹۴۹ کو قرارداد مقاصد منظور ہونے کے بعد دستور سازی کا عمل شروع ہوا۔ قراردادِ مقاصد کی منظوری سے پہلے مولانا پاکستان کو بھی اسی نظر سے دیکھ رہے تھے جس نظر سے تقسیم سے قبل برصغیر کو لیکن اس کے بعد یہ حیثیت تبدیل ہوگئی، مولانا ان خیالات کا اظہار کیا:

"اب اس ریاست کی شرعی حیثیت سابق غیر مسلم ریاست سے بالکل مختلف ہو چکی ہے۔ اب اس کی ملازمت جائز ہے، اس کے قوانین اپنی عارضی نوعیت میں قابلِ تسلیم ہیں، اس کی عدالتوں میں جانا حلال ہے اور اس کی اسمبلی و پارلیمنٹ کے انتخابات میں ہر حیثیت سے حصہ لیا جاسکتا ہے۔ اس دستوری تغیر کے ساتھ جماعت نے اپنی پالیسی میں بھی یہ تغیر کیا کہ وہ آئندہ اس ملک کے انتخابات میں حصہ لے آئینی طریقوں سے اس ملک کو مکمل دارالاسلام بنانے کی کوشش کرے گی۔ یہ ہماری تحریک کی تاریخ میں ایک اہم نقطۂ انقلاب تھا، جس نے ہمارے لیے ایک طریقِ کار کے بجائے دوسرے طریقِ کار کا دروازہ کھول دیا۔" [46]

بنیادی اصول کی کمیٹی

دستور ساز اسمبلی نے دستور سازی کے لیے کمیٹیاں قائم کی گیں جن میں سے ایک بنیادی اصول کی کمیٹی (Basic Principles Committee) تھی۔ اس کمیٹی کے تحت مختلف ذیلی کمیٹیاں قائم ہوئیں جس میں قرار دار مقاصد کی اسلامی شناخت کی روشنی میں بنیادی اصول کی کمیٹی کی رہنمائی کے لیے بورڈ آف تعلیمات کا قیام عمل میں لاگیا۔ تاہم نومبر ۱۹۵۰ء میں لیاقت علی خاں نے پہلی دستوری سفارشات پیش کیں، جو قرارداد مقاصد سے قطعی ہم آہنگ نہ تھیں۔ سیاسی حلقوں کے ساتھ ساتھ مذہبی حلقوں نے بھی عدمِ اطمینان کا اظہار کیا۔ یعنی یہ جمہوری اور اسلامی اصولوں دونوں کی رو سے یہ نہایت ناقص رپورٹ تھی۔ ۱۴/اکتوبر ۱۹۵۰ء کو مولانا مودودی لاہور کے موچی دروازے پر ایک تاریخی خطاب میں دلائل کے ساتھ ان سفارشات کو مسترد

بنایا۔ مولانا کی اس گرفتاری کی تفصیل کے لیے دیکھیے: "مولانا مودودی اور ان کے رفقا کی نظر بندی" ماہ نامہ **"ترجمان القرآن"** لاہور (ستمبر ۱۹۴۹ء)، ص۳۶-۶۱۔

44- ماہ نامہ **"ترجمان القرآن"** لاہور (اکتوبر، ۱۹۴۹ء)، ص۵۴۔

45- سید ابوالاعلیٰ مودودی، **تصریحات**، مرتب: سلیم منصور خالد (لاہور: البدر پبلی کیشنز ۲۰۰۹ء)، ص ۴۵۱؛ عبد الغنی فاروق، **کاروان عزیمت** (لاہور ادارہ معارفِ اسلامی، ۱۹۸۶ء)، ج۱، ص ۱۸۱؛ **مولانا مودودی کے انٹرویو**، ص ۴۵۸۔

46- سیّد ابوالاعلیٰ مودودی، **جماعت اسلامی کا مقصد، تاریخ اور لائحہ عمل** (لاہور: اسلامک پبلی کیشنز، ۲۰۱۴ء)، ص۵۸-۵۹۔

کر دیا۔ وزیر اعظم لیاقت علی خان نے علما کو دعوت دی کہ وہ دستور کے لیے واضح اسلامی سفاشات پیش کریں۔[47] اس کے نتیجے میں ۲۱تا۲۴ جنوری ۱۹۵۱ء کو کراچی میں ۳۱ جید علما کا اجتماع منعقد ہوا، جس نے اسلامی دستور کے لیے ۲۲ بنیادی اصول مرتب کئے۔[48]

اس کے اٹھارہ ماہ کی مکمل خاموشی کے بعد مولانا مودودی نے مئی ۱۹۵۲ء وہ آٹھ نکات پیش کئے[49] جس میں پھر اس ان مطالبات کا اعادہ کیا گیا جو پہلے پیش کیے گئے تھے۔ جولائی ۱۹۵۲ کو دستخطی مہم چلائی گئی۔[50] نومبر ۱۹۵۲ء کو جماعت اسلامی نے بنیادی اصول کی کمیٹی میں علما کے ۲۲ نکات کو شامل کرنے کے لیے "دستوری ہفتہ" منایا۔[51] ان مہمات کے نتیجے میں خواجہ ناظم الدین نے ۲۲ دسمبر ۱۹۵۲ء کو دستور سفارشات کی دوسری پیش کی۔ ۱۱ جنوری ۱۹۵۳ء کو پھر انہی علما کی مجلس منعقد ہوئی، جنھوں نے ۱۹۵۱ء میں ۲۲ نکات پر اتفاق کیا تھا، اور خواجہ ناظم الدین کی رپورٹ کا جائزہ لیا اور اس میں چند اصلاحات اور ترامیم تجویز کیں، ان میں قادیانیوں کو اقلیت قرار دینے کی تجویز بھی شامل تھی۔[52] مولانا مودودی نے بھی آٹھ نکات میں اضافہ کر کے قادیانی مسئلہ حل کرنے کی تجویز الگ بھی پیش کی۔

تحریک ختم نبوت ۱۹۵۳ء

جیسا کہ اوپر ذکر ہوا کہ ۲۲ نکات کے بعد مئی کے آخر میں مولانا نے دستوری رپورٹ میں آٹھ نکات شامل کرنے کا مطالبہ کیا۔ اسی ماہ کے آخر میں احرار نے قادیانی مسئلہ چھیڑ دیا۔ اس ہنگامہ آرائی کے دوران جولائی ۱۹۵۲ء میں ملتان میں فائرنگ ہوئی، جس سے ملک کے حالات بگڑنے کا اندیشہ تھا۔ اس دوران مولانا مودودی نے عوام سے دستوری سازی کے دوران مزاحمتی کاروائیوں سے بچنے کی اپیل کی۔ ان کا موقف یہ تھا کہ اسلامی

---

47 – M, Rafique Afzal (ed.), Speeches and Statements of Qaid-i-Millat Liaquat Ali Khan (Lahore: Research Society of Pakistan, 1975), p.510.

48– سید ابوالاعلیٰ مودودی، **اسلامی ریاست**، ص

49– **تصریحات**، ص ۴۵۶-۴۵۷۔

50–

51 – Safir Akhtar, Pakistan Since Independence: The Political Role of the Ulama, vol 2, op. cite, p. 328.

52– **تصریحات**، ص458

دستور بننے کے بعد قادیانی مسئلہ خود بہ خود حل ہو جائے گا۔[53] اس کا واضح اثر سامنے آیا اور دستوری مہم جاری رہی۔ خواجہ ناظم الدین رپورٹ دراصل اس کے بعد پیش ہوئی۔

مولانا نے دستور ساز اسمبلی کی توجہ کے لیے ۱۹۵۲ء میں ایسے مضامین تحریر کیے جس میں قادیانیت کے معاشرتی، معاشی اور سیاسی پہلوؤں اجاگر کیے گئے۔ اسی سال دستور ساز اسمبلی کی توجہ کے لیے ایک مفصل مضمون لکھا، جس میں مذکورہ مسئلہ کا صحیح حل پیش کیا گیا۔ لیکن ۱۹۵۲ء کی بنیادی اصول کی کمیٹی کی رپورٹ میں اس مسئلہ کو قابلِ اعتنا نہیں سمجھا گیا۔ اس کے نتیجے میں ۱۱ جنوری ۱۹۵۳ء کو دستوری سفارشات پر ۱۱اصلاحات اور تجاویز پیش کیے، جن میں مرزا غلام احمد قادیانی کو مذہبی پیشوا ماننے والوں کو اقلیت قرار دینے کی تجویز بھی شامل تھی۔[54] لیکن ۱۵ اور ۱۷ جنوری کو احرار اور جمیعت علمائے اسلام نے کراچی میں قادیانی مسئلے کے متعلق الگ تحریک چلانے کے لیے کنونشن بلائی۔ دستوری مہم کے دوران مولانا کی تمام تر توجہ صرف دستور سازی ہی پر تھی۔

اس دوران میں ۱۵ سے ۱۷ جنوری تک احرار اور جمیعت علما اسلام کے ایما پر کراچی میں ایک کنونشن منعقد ہوئی۔ اس کنونشن میں مولانا بھی شریک ہوئے۔ کنونشن کے اس اجلاس میں ایک سب جیکٹ کمیٹی بنائی گئی، مولانا مودودی اس کے رکن تھے۔ ۱۶ جنوری کی رات کو اس کمیٹی کا اجلاس ہوا اور اس میں طے پایا کہ قادیانی مسئلہ کو حل کرنے کے لیے دستوری سفارشات میں شامل کرنے کے بعد اس کے لیے الگ جدوجہد کی ضرورت نہیں ہے۔ لیکن ۱۷ جنوری کو کنونشن کے اجلاس میں میں سب جیکٹس کمیٹی کی طے کردہ تجویز کو مسترد کر دیا گیا اور ارکان کی اکثریت نے الگ جدوجہد پر اتفاق کیا۔ ۱۸ جنوری کو کنونشن کے اجلاس میں مولانا ابوالحسنات نے فیصلہ سنایا کہ: "یہ کنونش صرف تحفظ ختم نبوت کے لیے بلائی گئی ہے، یہاں کوئی دوسرا مسئلہ حتیٰ کہ اسلامی دستور کا مسئلہ بھی نہیں چھیڑا جا سکتا"۔[55] اس کے بعد تاج الدین انصاری نے ریزلوشن پڑھنا شروع کر دیا جس میں ایک ماہ میں مطالبات منظور نہ ہونے کی صورت میں ڈائرکٹ ایکشن کی تجویز بھی درج تھی۔

مولانا مودودی لکھتے ہیں کہ ڈائرکٹ ایکشن کا ریزولیشن پیش ہونے کے بعد میرا فوری ردعمل یہ تھا کہ اس کی مخالفت کروں اور اپنی جماعت کو اس سے الگ کر دوں۔ لیکن غور کرنے کے بعد اس نتیجے پر پہنچا کہ میری

53– **تصریحات**، ص ۴۵۷-۴۵۸۔

54– **"ترجمان القرآن"** (فروری، ۱۹۵۳)، ص ۲۔

55– **قادیانی مسئلہ**، ۱۹۳۔

علیٰحد گی فساد کو روکنے میں مؤثر ثابت نہ ہو گی۔ یہی وجہ تھی کہ میں ریزولیشن کی براہ راست مخالفت کے بجائے یہ تجویز پیش کی کہ ایک مرکزی مجلس عمل بنائی جائے جو کنونش کی شریک جماعتوں کے ذمہ داری لیڈروں پر مشتمل ہو اور پوری تحریک اسی مجلس کی رہنمائی میں چلائی جائے۔ یہ تجویز تسلیم کرلی گئی اور اس کے آٹھ ارکان منتخب ہوئے۔ لیکن ۱۸ جنوری کو مرکزی مجلس عمل کے بعض ارکان کی غیر موجودگی میں ڈائرکٹ ایکشن کا فیصلہ کرلیا گیا۔ مولانا کو شروع دن سے ڈائرکٹ ایکشن سے اختلاف تھا۔ تاہم ڈائرکٹ ایکشن کے فیصلہ اور شروع ہونے کے درمیانی عرصہ میں مولانا نے اپنے رفقا: میاں طفیل محمد، ملک نصر اللہ خان عزیز شیخ سطان احمد کے ذریعے کمیٹی کو اپنے تحفظات پہنچاتے رہے۔ بالآخر ۲۷ فوری کو ڈائرکٹ ایکشن شروع ہوا اور اس کے بعد پنجاب میں فسادات رونما ہونے کے نتیجے میں پہلی بار مارشل لاء نافذ ہوا۔ لیکن مولانا نے اس سے قبل خود کو اس تحریک سے الگ کرلیا تھا۔ اس سے واضح ہوتا ہے کہ مولانا نے اس مرحلے پر بھی غیر آئینی ذرائع کے استعمال سے گریز ہی کیا۔

محمد علی بوگرافارمولااور دستور ساز اسمبلی کی معطلی

خواجہ ناظم الدین کو برطرف کرنے کے بعد محمد علی بوگر کو امریکہ سے سفارت کے عہدے سے واپس بلا کر وزیر اعظم نامزد کیے گئے۔ مولانا مودودی جیل میں تھے، اس دوران شیخ سلطان احمد جماعت اسلامی کے امیر تھے انھوں نے اسلامی دستور کی مہم اسی طرح جاری رکھی۔ وزیر اعظم نے قسط وار دستور سازی کا امکان ظاہر کیا۔(56) اس پر امیر جماعت اسلامی نے شدید تنقید کی۔ بعد ازاں انھوں نے اس خیال کی تردید کے لیے کانفرنس کی کہ حکومت سیکولر آئین کے حق میں نہیں ہے اور ساتھ اسلامی دستور بنانے کی یقین دہانی بھی کی۔ اسلامی دستور کی تفصیل میں انھوں نے کہا: "پاکستان کا آئین اسلامی سوشل ازم، جمہوریت اور انصاف کے اصولوں پر بنایا جائے گا"۔(57) اس سے قبل سیکولر ازم کی جو اصطلاح استعمال کی تھی، اس کی وضاحت میں کہا: "میں نے لفظ سیکولر کا استعمال اس سیاب وسباق میں کیا تھا کہ ہم اپنے یہاں تھیوکریسی (Theocracy)

56– میاں طفیل محمد، جماعت اسلامی کی دستوری جدوجہد، مرتب: فیض احمد شہابی (لاہور: ادارہ معارف اسلامی، ۲۰۱۴ء)، ص ۸۸۔

57– روزنامہ جنگ، ۱۱ جولائی ۱۹۵۳

قائم نہیں کر سکتے۔" اس بیان پر واشنگٹن پوسٹ کے ایک اداریے میں یہ تبصرہ کیا: "ملاؤں کی حکومت" کے رجحان کو ختم کرنے کے امکانات روشن ہو گئے"۔[58] اس واقعہ پر میاں طفیل محمد تبصرہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

"وزیر اعظم نے اسلامی نظام کو ملائیت قرار دے کر کر مسلم لیگ کے ان دعوؤں اور وعدوں کو خاک میں ملادیا کہ پاکستان اسلامی نظام کا گہوارہ بنے گا۔[59]

جماعت اسلامی کی مرکزی مجلس شوریٰ کے جون ۱۹۵۳ء فیصلے کے مطابق بڑے شہروں میں جلسے منعقد کیے، جن میں اسلامی دستور کے حوالے حکومتی پالیسیوں کو ہدفِ تنقید بنایا گیا۔ ۳۱ جولائی ۱۹۵۳ء کو جماعت اسلامی نے ملک بھر کے بڑے بڑے شہروں میں "یوم دستور" منایا۔[60] جماعت اسلامی کی مرکزی مجلس شوریٰ کا اجلاس ۲۱ تا ۲۵ نومبر ۱۹۵۳ء کو کراچی میں منعقد ہوا، جس میں دستور ساز اسمبلی سے مکمل اسلامی دستور مرتب کرنے کا مطالبہ کیا گیا۔ مجلس شوریٰ نے دیگر مطالبات ماننے پر بھی زور دیا تاکہ ۱۴ اگست ۱۹۵۴ء کو دستور نافذ العمل ہو جائے۔[61]

اکتوبر ۱۹۵۴ء کے آخر میں دستور ساز اسمبلی کا آخری اجلاس ہونے والا تھا، جس پر دستخط کر کے مکمل کرنا تھا، لیکن ۲۴ اکتوبر کو ملک غلام محمد نے دستور ساز اسمبلی توڑ دی۔ اس دوران میاں طفیل محمد نے کراچی کا دورہ کر کے اسمبلی کے اسپیکر مولوی تمیز الدین کو گورنر جنرل کے اقدام کو عدالت میں چیلنج کرنے پر آمادہ کیا لیکن وہ تذبذب کا شکار تھے اور میاں صاحب سے کہا کہ ان کے پاس قانونی چارہ جوئی کے لیے وسائل بھی نہیں ہیں، اس وقت میاں صاحب نے ان پانچ ہزار روپے دیے۔ میاں صاحب لکھتے ہیں:

"اس سلسلے میں ہم نے جناب منظر عالم سیکرٹری مسلم لیگ، قاضی شریح الدین صدر بار ایسوایشن کراچی، مولانا ظفر احمد انصاری صاحب سے ملے اور اگلے دن سردار عبد الرب نشتر کو اس طرف متوجہ کیا اور اس دن تک کی کہانی سنائی؛ چناں چہ دو دن سردار عبد الرب نشتر مرحوم، جنھوں نے اس وقت کراچی میں وکالت شروع کر رکھی تھی، کے دفتر واقع بندر روڈ کراچی میں آٹھ دس سیاسی رہنماؤں سے اس بارے میں تبادلۂ خیال ہوتا رہا، جس میں میں اور چودھری غلام محمد مرحوم برابر نہ صرف شریک رہے بلکہ اس کام کو بلا تاخیر شروع کرنے پر زور دیتے رہے۔ "[62]

58- بہ حوالہ: **جماعت اسلامی کی دستوری جدوجہد**، ص۸۹۔

59- ایضاً، ص۸۹۔

60- ایضاً، ص۹۰۔

61- ایضاً، ص۹۲۔

62- میاں طفیل محمد، جماعت اسلامی اور قومی سیاست۔

سندھ ہائی کورٹ کے فُل بنچ نے مولوی تمیز الدین کے حق میں فیصلہ سنادیا اور گورنر جنرل کے اقدام کو غیر آئینی قرار دیا۔ حکومت اس فیصلے کے خلاف فیڈرل کورٹ میں اپیل میں گئی اور چیف جسٹس نے پہلی بار آئین میں تحریف کر کے ہائی کورٹ کے فیصلے کو کالعدم قرار دیا۔

دوسری دستور ساز اسمبلی کی تشکیل اور ۱۹۵۶ کا دستور

۲۸ مئی کو نئی دستور ساز اسمبلی تشکیل دی گئی، جس کا پہلا اجلاس ۷ جولائی ۱۹۵۵ء کو مری میں منعقد ہوا۔ چودھری محمد علی وزیر اعظم نامزد ہوئے۔ ۲۸ مئی ۱۹۵۵ء کو مولانا مودودی بھی جیل سے رہا ہوئے تھے، انھوں نے عوامی تحریک کے سلسلہ جنبانی شروع کر دی۔ ۲۲ نومبر ۱۹۵۵ء کو مولانا مودودی نے سالانہ اجلاس میں اسلامی دستور کا مطالبہ پر مزید زور دیا۔ جماعت اسلامی کی مجلس شوریٰ کا اجلا مولانا مودودی کی صدارت میں ۳تا۹ جنوری ۱۹۵۶ کو اچھرہ میں منعقد ہوا۔ جس میں تمام حلقوں کے امرا نے دستوری مہم کی رپورٹیں پیش کیں، اس مہم عوام نے بھرپور حصہ لیا۔ میاں صاحب اس آخری مرحلے کے بارے میں لکھتے ہیں:

> "مجلس شوریٰ کا اجلاس ابھی جاری تھا کہ ۹ جنوری ۱۹۵۶ء کو وزیر قانون نے دستور پاکستان کا مسودہ پیش کر دیا۔ اسی دن کے اخبارات میں اس مسودے کا خلاصہ بھی شائع ہو گیا۔ مجلس شوریٰ نے اس موقع پر امیر جماعت کی سرکردگی میں ایک کمیٹی قائم کر دی۔ کمیٹی کو یہ اختیار دیا گیا کہ پورا مسودہ شائع ہونے پر وہ اس کا بغور مطالعہ کرے گی اور جماعت کے موقف کا فیصلہ کرے گی۔ اس کمیٹی کے صدر مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودی تھے۔ کمیٹی کے ارکان میں جہاں مولانا امین احسن اصلاحی صاحب، ملک نصر اللہ خان عزیز صاحب، جناب فضل الرحمن نعیم صدیقی صاحب شامل تھے، وہاں خاکسار بھی اس کمیٹی کا رکن تھا۔ فروری ۱۹۵۶ء میں مولانا مودودی مشرقی پاکستان گئے جہاں انھوں نے کئی عوامی جلسوں سے خطاب کیا۔"(63)

۲۹ فروری ۱۹۵۶ء کو مجلس دستور ساز پاکستان دستور پاس کر دیا۔(64) ۲ مارچ ۱۹۵۶ء کو گورنر جنرل نے منظوری دے دی۔ جماعت اسلامی کی مرکزی مجلس شوریٰ کا اجلاس ۱۵ تا ۱۸ مارچ ۱۹۵۶ء کو لاہور میں منعقد ہوا، دستور کے جائزے کے لیے جو کمیٹی قائم کی گئی تھی، اس نے نئے دستور کا جائزہ لینے کے بعد قرارداد منظور کی،

63– **جماعت اسلامی کی دستوری جدوجہد**، ص ۱۰۸۔

64 – Hamid Khan, Constitutional and Political History of Pakistan, 96

جس میں قرار دیا گیا کہ: "یہ دستور اپنی تمام خامیوں کے باوجود متعدد وجوہ سے اطمینان بخش اور قابل قبول ہے"۔[(65)] نو سال کی اس جدوجہد کے بعد ۲۳ مارچ کو پاکستان کو پہلا دستور ملا۔

پاکستان کی پہلی دستور بننے تک مختلف آئینی طریقوں سے دستور کی اسلام کاری کا عمل جاری رہا۔ 1956ء کی دستور کے ضمن وہ مراسلت نہایت اہمیت کا حامل ہے جو مولانا مودودی اور ڈاکٹر احمد حسین کمال کے مابین ہوا۔ جس میں اسلامی نظام کے عملی نظاذ کے حوالے سے بہت اہم سوالات زیر بحث آئے۔ ڈاکٹر حسن کمال کے سوالات کا لب لباب یہ تھا کہ حق و باطل میں پوری پوری تمیز اور تفریق برتنی چاہیے۔ موجودہ دستور، 1956ء، اپنی ہیئت ترکیبی کے لحاظ سے اسلام کی حقیقی بالادستی کو تسلیم نہیں کرتا۔ نیز قانون سازی صدر مملکت کی ک منظوری کے محتاج ہو جاتے ہیں۔ قوانین الہیہ بھی انسانی آرا کی منظوری کے محتاج بن جاتے ہیں، پھر ان قوانین کو عدالتی تشریح و توضیح کا محتاج بنادیا گیا، اس نوع کے دیگر سوالات پر مولانا مودودی اور ڈاکٹر حسین کمال کے درمیان دو خطوط میں طویل مراسلت ہوئی۔ نظریت اور حکمت علمی کو واضح کرتے ہوئے مولانا لکھتے ہیں:

"آپ نے جن مسائل کی طرف توجہ دلائی ہے، ان کے متعلق ہمارا نقطۂ نظر یہ ہے کہ ہم اپنی تحریک خلا میں نہیں چلا رہے ہیں، بلکہ واقعات کی دنیا میں چلا رہے ہیں۔ اگر ہمارا مقصد محض اعلان و اظہار حق ہوتا تو ہم ضرور صف بے لاگ حق بات کہنے پر اکتفا کرتے لیکن ہمیں چوں کہ حق کو قائم بھی کرنے کی کوشش کرنی ہے اور اس کی اقامت کے لیے اسی واقعات کی دنیا میں سے راستہ نکالنا ہے اس ہمیں نظریت (Idealism) اور حکمت عملی (Practical Wisdom) کے درمیان توازن برقرار رکھتے ہوئے چلنا پڑتا ہے۔ آئیڈیل ازم کا تقاضا یہ ہے کہ ہم اپنے آخری مقصود کو نہ صرف خود پیش نظر رکھیں بلکہ دنیا کو بھی اس کی طرف بلاتے اور رغبت دلاتے رہیں۔ اور حکمت عملی کا تقاضا یہ ہے کہ ہم اپنے مقصود کی طرف بتدریج بڑھیں اور واقعات کی دنیا میں ہم کو جن حالات سے سابقہ ہے ان کو اپنے مقصد کی طرف موڑنے، اس کے لیے مفید بنانے اور مزاحمتوں کو ہٹانے کی کوشش کرتے رہیں۔... دستورِ اسلامی کے بارے میں جو باتیں آپ نے لکھی ہیں، ان میں سے کوئی بھی ہم سے پوشیدہ نہیں ہے، نہ کبھی پوشیدہ تھی، لیکن یہاں ایک کھلی کھلی لادینی ریاست کا قائم ہو جانا ہمارے مقصد کے لیے اس سے بہت زیادہ نقصان دہ ہوتا جتنا اب اس نیم دینی نظام کا نقصان آپ کو نظر آرہا ہے بلاشبہ ہم نے پوری چیز حاصل نہیں کی ہے، مگر کشمکش کے پہلے مرحلے میں ہم نے اتنا فائدہ ضرور حاصل کیا ہے کہ ریاست کو ایک قطعی لادینی ریاست بننے سے روک دیا، اور اسلام کی چند ایسی بنیادی باتیں منوالیں جن پر آگے کام کیا جا سکتا ہے۔ ہم اس غلط فہمی میں نہیں ہیں کہ ہمارا مقصود حاصل ہو گیا ہے۔ ہ اس مقام پر ٹھہر جانے کا کوئی ارادہ نہیں رکھتے۔ بلکہ جو کچھ ہم نے حاصل کیا ہے اسے مزید مقاصد کے حصول کا ذریعہ بنانا چاہتے ہیں اور اب ہم پیش قدمی کے لیے اس سے بہتر پوزیشن میں ہیں جو اس قریبی مقصود کے حاصل نہ ہونے کی صورت میں ہماری ہوتی۔"[(66)]

65– میاں طفیل محمد، **جماعت اسلامی کی دستوری جدوجہد**، ص۱۰۸۔

66– ماہنامہ "**ترجمان القرآن**" (دسمبر ۱۹۵۶ء)، ص ۱۱-۱۲۔

اس فرق کو دوسرے خط میں مزید واضح کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

"ہم جس ملک اور جس آبادی میں بھی ایک قائم شدہ نظام کو تبدیل کر کے دوسرا نظام قائم کرنے کی کوشش کریں گے، وہاں ایسا خلا ہم کو کبھی نہ ملے گا کہ ہم بس اطمینان سے "براہ راست" اپنے مقصود کی طرف بڑھتے چلے جائیں۔ لا محالہ اس ملک کی کوئی تاریخ ہو گی، اس آبادی کی مجموعی طور پر اور اس کے مختلف عناصر کی انفرادی طور پر کچھ روایات ہوں گی۔ کوئی ذہنی اور اخلاقی اور نفسیاتی فضا بھی وہاں موجود ہو گی۔ ہماری طرح کچھ دوسرے دماغ اور دست و پا بھی وہاں پائے جاتے ہوں گے جو کسی اور طرح سوچنے والے اور کسی اور راستے کی طرف اس ملک اور اس آبادی کو لے کر چلنے کی سعی کرنے والے ہوں گے۔... ان حالات میں نہ تو اس امر کا کوئی امکان ہے کہ ہم کہیں اور سے پوری تیاری کر کے آئیں اور یکا یک اس نظام کو بدل ڈالیں جو ملک کے ماضی اور حال میں اپنی گہری جڑیں رکھتا ہے۔ نہ یہ ممکن ہے کہ اسی ماحول میں رہ کر، کشمکش کیے بغیر، کہیں الگ بیٹھے ہوئے اتنی تیاری کر لیں کہ میدانِ مقابلہ میں اترتے ہی سیدھے منزل مقصود پر پہنچ جائیں۔ اور نہ اس بات ہی کا تصور کیا جا سکتا ہے کہ ہم اس کشمکش سے گزرتے ہوئے کسی طرح "براہ راست" اپنے مقصود تک جا پہنچیں۔ ہمیں لا محالہ واقعات کی اس دنیا میں موافق عوامل سے مدد لیتے ہوئے، اور مزاحم طاقتوں سے کشمکش کرتے ہوئے بتدریج اور بر وقت قدم اٹھانا ہو گا۔"[67]

۱۹۵۶ء تک کے دستور تک جدوجہد سے یہ حقیقت بالکل واضح ہو کر سامنے آتی ہے کہ اس پورے عرصے میں مولانا نے اپنے اہداف کے لیے کسی بھی ایسے ذریعے کا سہارا نہیں لیا جس کو غیر قانونی یا غیر اخلاقی کہا جا سکے۔

67– ایضاً، ص۲۰۔